اردو انشائیہ میں فطرت نگاری

یاسمین سرور*

Abstract:

This article is about a newly introduced genre of Urdu Literature called Inshaiya. It traces the aspects of nature in it. Most of the writers engaged with this form have shown interst in narrating nature in many ways.

انشائیہ کا لفظ ''انشا'' سے نکلا ہے اور انشا کے لغوی معنی ''قاموس مترادفات'' میں ''مضمون، تحریر، تخلیق، ایجاد، اختراع اور ابداع'' کے ہیں (۱) ''فیروز اللغات'' میں ''انشا'' کے معنی ''کوئی بات پیدا کرنا، تخلیق کرنا اور عبارت لکھنا'' کے ہیں (۲)۔ اس طرح ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ انشائیہ سے مراد ایسی تحریر ہوگی جس میں کوئی نئی بات پیدا کی جائے، یا کوئی نیا زاویہ اختراع کیا گیا ہو۔ ''اردو لغات'' میں انشائیہ کے معنی ''ہلکے پھلکے اور لطیف مضمون'' کے ہیں۔ اسی طرح انشائیہ سے موسوم ناموں، ''ادب لطیف''، ''انشائے لطیف'' اور ''لطیف پارہ'' سے مراد بھی ''لطیف اور شگفتہ مضامین'' ہی ہیں۔ (۳)

انشائیہ کا مفہوم اردو میں تقریباً وہی ہے جو انگریزی میں (Essay) کا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ انگریزی ادب میں (Essay) لفظ آغاز میں تو ہلکے پھلکے اور سنجیدہ دونوں قسم کے مضامین کے لیے استعمال کیا جاتا ہے مگر بعد میں ہلکے پھلکے مضامین کے لیے Light Essays کی اصطلاح استعمال کی جانے لگی۔ اردو میں ایسے ہلکے پھلکے اور شگفتہ مضامین کو انشائیہ کے نام سے منسوب کر کے اسے ایک الگ صنف ادب کے طور پر متعارف کرایا گیا ہے۔

سید ظہیر الدین مدنی (Essay) کے بارے میں صراحت سے بیان کرتے ہیں:

''لفظ (Essay) ایسے فرانسیسی لفظ (Essai) (اسائی) کی انگریزی شکل ہے۔ اردو

* پی ایچ ڈی سکالر، یونیورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور۔

لفظ ''اسائی''، عربی لفظ ''السعی'' کی فرانسیسی شکل معلوم ہوتی ہے۔ دونوں لفظ کوشش کے معنی ظاہر کرتے ہیں......صدیوں تک اندلس اور جنوبی فرانس پر عربوں کا سکہ چلتا رہا اسی وجہ سے فرانسیسی زبان میں لاطینی سے بھی زیادہ عربی الفاظ رائج ہیں ممکن ہے اسائی(Essai) ان میں سے ایک ہو۔''(۴)

مذکورہ بالا بیان کے مطابق سید ظہیر الدین مدنی کا خیال ہے کہ Essay اصل میں فرانسیسی لفظ ہے جو فرانسیسی سے انگریزی میں آیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ اس امر کی طرف بھی اشارہ کرتے ہیں کے ہوسکتا ہے کہ (Essai) کا لفظ فرانسیسی کے بجائے عربی کا ہو کیونکہ مسلمان کافی عرصہ فرانس پر حکومت کرتے رہے اور عربی کے کئی الفاظ فرانسیسی زبان میں داخل ہو گئے کیونکہ دونوں کا مطلب کوشش کرنے کے ہیں۔ اس طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ دیگر اصناف ادب کی طرح یہ صنف بھی فرانسیسی ادب سے اردو میں آئی۔ پروفیسر جمیل آذر اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''سولہویں صدی کے ربع آخر میں مونتین پہلا مفکر ادیب ہے جس نے اس صنف ادب کا آغاز بڑے ڈرامائی انداز میں کیا یہ عجیب اتفاق ہے کہ جس طرح اور ادبی تحریکات کا شرف فرانس کو حاصل ہوا اس ادبی تحریک کا شرف بھی اسی کے حصے میں آیا۔''(۵)

مغربی تقلید میں ایسے Essay کا رجحان آغاز میں اردو میں ''مضمون'' کے عنوان کے تحت ہوا۔ اردو کے ادیبوں نے اصلاحی اور علمی مقاصد کے پیش نظر مضامین تحریر کیے۔ جن میں خارجیت کا عنصر نمایاں تھا جو انشائیہ کی اصل روح کے منافی تھا۔ انشائیہ اور مضمون میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ چنانچہ داکٹر نیاز فتح پوری اردو ایسیز کا تعارف کراتے ہوئے Essay کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''(Essay) ایک خاص نہج واسلوب کے اس مقالے کو کہتے ہیں۔ جو ایک خاص قسم کی Solilaquey ہے۔ زیادہ تر Objective قسم کی جسے ہم Self Cummunication بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ ایک خاص قسم کے فکر و تخیل کا نتیجہ ہے جس میں تجزیہ جذبات، نفسیاتی مطالعہ، منطقی استدلال، فلسیانہ تفکر، متصوفانہ استقرا اور انشاء عالیہ کا جمالیاتی اسلوب سب کچھ پایا جاتا ہے۔''(۶)

مذکورہ بالا اقتباس سے ڈاکٹر صاحب نے Essay یا مضمون کی جملہ خصوصیات بیان کی ہیں۔ اس تعریف کی رو سے ایک مضمون خاص قسم کے فکر اور تخیل کا حامل ہونا چاہیے، اس میں نفسیاتی مطالعہ بھی ضروری ہے اور منطقی استدلال کے بغیر تو مضمون کو تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ ازیں مضمون کی فضا رسمی ہوتی ہے اس میں ہر بات، ہر جمہ اور پیرا گراف ایک منطقی وضاحت کے ساتھ مرکزی خیال کی وضاحت کرتا ہے۔ جبکہ انشائیہ غیر رسمی ماحول میں لکھا جاتا ہے۔ مضمون میں موضوع سے متعلق بحث نہایت سنجیدگی، متانت اور ذمہ داری سے کی جاتی ہے اور انشائیہ میں محض تاثرات کا بیان ہوتا ہے یہ آزادانہ ذہنی ترنگ کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔ مضمون میں حقائق کو دلائل

کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے اس لیے اس میں خارجیت کا رنگ نمایاں ہوتا ہیور وضاحت اور صراحت سے کام لیا جاتا ہے اور اس کا مقصد عالمانہ انداز میں معلومات کی فراہمی ہے۔مضمون میں ہر بات تفصیل سے کی جاتی ہے اور سادہ انداز بیاں کو اہمیت دی جاتی ہے اس کے برعکس انشائیہ ایجاز و اختصار اور رمز و اشاریت سے مزین ہوتا ہے اور اس میں عدم تکمیل کا عنصر پایا جاتا ہے۔

مضمون میں علم وحکمت کی باتیں ہوتی ہیں اور اور موضوع سے ہٹ کر کسی قسم کی بات کا ذکر مضمون کی خامی تصور کیا جاتا ہے جبکہ انشائیہ مرکز سے گریز کر کے ادھر ادھر کی باتیں بیان کرنے کے بعد دوبارہ اصل نکتے کی طرف توجہ مبذول کراتا ہے۔مضمون واقعات کا بیان ہے تو انشائیہ کا تعلق واقعات کے ردعمل سے ہے۔انشائیہ انکشاف ذات کے ساتھ داخلی کیفیات کی عکاسی کرتا ہے اور مضمون خارجی عوامل کا ترجمان۔مضمون کا مقصد اصلاح کی خاطر کسی بات کی تبلیغ یا تنقید بھی ہوسکتا ہے جبکہ انشائیہ میں مقصد کسی قسم کی تبلیغ یا تنقید کی بجائے صرف اور صرف مسرت بہم پہنچانا ہے۔ اس کا مقصد موضوع کے غیر معمولی پہلوؤں کو اجاگر کر کے اس کے نئے زاویوں کی طرف اشارہ کرنا ہے۔مضمون کا اسلوب ٹھوس حقائق اور سائنسی معلومات کے بیان کی وجہ سے نہایت خشک ہوتا ہے جبکہ انشائیہ کا بیان نہایت بے ساختگی کے ساتھ شائستہ اور مہذب ہوتا ہے۔اسی طرح مضمون کی زبان سادہ اور عام فہم ہوتی ہے جبکہ زور بیان اور زبان کی چاشنی انشائیہ کا حسن سمجھا جاتا ہے۔مختلف ماہرین کی آراء کی روشنی میں انشائیہ کی تعریفوں پر غور کرنے سے انشائیہ اور مضمون کی الگ حیثیت کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ڈاکٹر بشیر سیفی انشائیہ کی تعریف یوں بیان کرتے ہیں:

> ''انشائیہ وہ صنف نثر ہے جس میں مصنف اپنے ذاتی تاثرات اور انفرادی تجربات بے تکلفی اور اختصار سے پیش کرتا ہے۔اس صنف میں لکھنے والا موضوع کے حوالے سے ذہن میں آنے والی دیگر باتوں کا ذکر بھی کرسکتا ہے تاہم موضوع سے انحراف نہیں کرتا نیز انشائیہ نگار موضوع کے چھپے ہوئے گوشوں پر روشنی ڈال کر قاری کو پر تحیر مسرت بہم پہنچاتا ہے۔''(۷)

اس تعریف کے مطابق انشائیہ ذاتی تاثرات اور انفرادی تجربات کا بے تکلفانہ اظہار ہے جسے اختصار کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔موضوع کے متعلق ذہن میں آنے والے دیگر خیالات کا ذکر بھی کیا جاتا ہے تاہم یہ خیالات بھی سے متعلقہ موضوع سے مطابقت رکھتے ہیں۔انشائیہ نگار مرکزی موضوع کے مخفی نکات اور پہلو ایسے انداز میں بیان کرتا ہے کہ پڑھنے والوں کو حیرت انگیز مسرت حاصل ہوتی ہے۔ڈاکٹر انور سدید کے نزدیک انشائیہ کے خدوخال کچھ یوں ہیں:

> ''فنی اعتبار سے انشائیہ موضوعی اور داخلی صنف اظہار ہے۔انشائیہ اشیاء اور مظاہر کی خارجی سطح کو مس کرنے کی بجائے ان کے بطون کو کھنگالتا اور جذبے کو برانگیختہ کرنے کے بجائے اس کی تہذیب کرتا ہے اور یوں ہمارے سامنے مظاہر کی نئی نئی صورتیں اور تاثر کی نئی نئی کیفیتیں اجاگر کرتا ہے۔(۸)

ڈاکٹر انور سدید کے مطابق انشائیہ ایک ایسی صنف ہے جس کا تعلق داخلی کیفیات سے ہے اس لیے یہ موضوعی اور داخلی صنف نثر ہے جو اشیاء اور مظاہر کے باطن میں چھپی خصوصیات کو سامنے لاتا ہے یہ خارج کی بحث میں پڑے بغیر جذبات کی تہذیب کرتا ہے اور انشائیہ نگار ہمارے سامنے مظاہر کی نئی نئی صورتیں اور تاثر کی نئی نئی کیفیتیں اجاگر کرتا ہے۔ ڈاکٹر وزیر آغا نے انشائیہ کے مقتضیات اور محاسن کو نہایت جامع الفاظ میں بیان کیا ہے۔ان کی وضع کردہ تعریف حسب ذیل ہے:

> ''انشائیہ اس نثری صنف کا نام ہے۔جس میں انشائیہ نگار اسلوب کی تازہ کاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اشیاء یا مظاہر کے مخفی مفاہیم کو کچھ اس طور گرفت میں لیتا ہے۔کہ انسانی شعور اپنے مدار سے ایک قدم باہر آ کر ایک نئے مدار کو وجود میں لانے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔''(۹)

چنانچہ مذکورہ بالا تعریفوں کے مطابق انشائیہ مضمون سے بالکل الگ اور منفرد صنف ادب ہے۔جو اپنے اندر ایک ضخاص لطافت رکھتے ہوئے معنی کی پرتیں کھولتے ہوئے نہایت شگفتہ اور ہلکے پھلکے انداز میں نئے جہان معنی کی سیر کراتا ہے۔انشائیہ اپنی ذات میں حسن وخوبی اور لطف وسرور کا ساماں لیے ہوئے ادب میں ایک نئی صنف کے طور پر سامنے آیا۔آغاز میں اسے ایک الگ صنف ماننے سے انکار بھی کیا گیا لیکن آج انشائیہ کو ایک الگ صنف ادب کا مقام حاصل ہو چکا ہے۔

فطرت کا لازوال اور بے مثال حسن انسانی آنکھوں کو ہمیشہ خیرہ کرتا رہا ہے مناظر فطرت کا جمال ہر لمحے انسان کو اپنی متحیر اور پرمسرت آغوش میں لیے رکھتا ہے کبھی اسے کوہساروں، گلستانوں، خیابانوں اور لالہ ہزاروں کے پر بہار مناظر اپنی نیرنگیوں کی جانب متوجہ کرتے ہیں اور کبھی پھولوں کی لہک، پرندوں کی چہک، چاند کی چاندنی، سورج کی روشنی اور ہواؤں کی مستی سے کشش محسوس کرتا ہے۔غرض یہ کہ فطرت کا حسن اسے ازل سے دیوانہ بنائے ہوئے ہے۔صبح ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا اس کی آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل و دماغ کو تراوت بخشتی ہے تو سورج کی کرنیں آہستہ آہستہ اس کے وجود میں سرایت اسے راز ہستی کی گرہیں کھولنے کے لیے ایک بار پھر سے سرگرم کرتی ہیں۔وہ تتلیوں کو دیکھتا رنگوں سے کھیلتا نظریں جھکاتا ہے تو زمین کی پنہائیوں میں اتر جاتا ہے اور جب فلک کی جانب نگاہ اٹھاتا ہے تو آسماں کی بلندیوں سے باتیں کرتا ہے۔کائنات کا حسن ہر وقت اس کے اردگرد جلوہ فگن ہے اور وہ اپنی بساط کے مطابق اس سے کیف ومستی اور لطف وسرور حاصل کرتا ہے۔

اردو کے انشائیہ نگاروں نے بھی اپنے انشائیوں میں فطرت کے رنگوں کو سمویا ہے اور اس کے حسین مناظر کی عکاسی نئے اور منفرد انداز سے کرتے ہوئے حیرت وانبساط کے نئے دریچے وا کیے ہیں۔سجاد حیدر یلدرم کے ہاں اس حسن کی جھلکیاں ملاحظہ ہوں:

''اگر میں صحرا نشین ہوتا تو طلوع آفتاب کے نظارے سے ہر روز متاثر ہوتا۔ چاندنی رات کو میں دیکھتا کہ چاند اور ستارے زمین کو دیکھ دیکھ کر ہنس رہے ہیں، اندھیری رات میں تمام عالم کی تاریکی اور ہر چیز کی خاموشی مجھ پر اثر کرتی اور میں اپنے دل میں عمیق مستیاں محسوس کرتا۔ میں کسی وادی میں گذر رہا ہوتا، پر فضا گھاٹی کے پھول اور ان پھولوں کو دیکھ دیکھ رنگین اور لطیف گانے گانے والی بلبل، ہلکی آواز سے گرنے والے آبشار مجھے گھنٹوں حیرت زدہ رکھتے اور پر مسرت زندگی بسر کرتا۔''(۱۰)

سجاد حیدر یلدرم ایک رومانوی افسانہ نگار ہیں مگر ان کی کچھ تحریروں میں انشائیہ کی جھلک بھی نظر آتی ہے۔ مذکورہ بالا انشائیہ ان کی فطرت سے وابستگی کی صورت میں صحرا نشین ہونے کی خواہش ہمیں قدرت کو نئے زاویوں دیکھنے کی امنگ پیدا کی ہے۔

اسی طرح فلک پیما کی انشائیہ میں دامن کوہ میں گاگر سر پر اٹھائے جب ایک لڑکی جب چشمے کی جانب محو خرام ہوتی ہے تو انشائیہ نگار پگڈنڈی کے ارد گرد پھولوں کا اس کے قدموں پر جھکنا، جھاڑیوں کا شرم حجاب سے جھوم جھوم کر اسے نظر کا دم کرنا، کبوتر کا لڑکی کو دیکھ کر بازی لگانا، چڑیوں کا ناچنا اور تنکے کا لپکنا فطرت کی خاموش اور غیر محسوس حالت کا بیان ہمیں حیرت انگیز مسرت میں مبتلا کر دیتا ہے دیکھیئے اقتباس:

''ہاں وہ ایک بھولی بھالی لڑی پانی بھرنے، گاگر سر پر تولے، دامن کوہ والے چشمے کی طرف خوشی خوشی جارہی ہے۔ کیا مجھے معلوم ہوتا ہے یا واقعی زمین اس کے قدم چوم رہی ہے؟ نہیں! نہیں! سچ مچ پگڈنڈی کے ادھر ادھر کے پھول اس کی طرف جھک رہے ہیں۔ اے لو! دیکھو وہ چھوٹی چھوٹی شرمیلی جھاڑیاں جھوم جھوم کر اس پر نظر کا دم کر رہی ہیں۔ اسے دیکھ کر ایک کبوتر نے بازی لگائی، چڑیاں ناچ کرنے لگیں۔ ارے! ایک تنکے نے لپک کر اس کا دامن جالیا۔''(۱۱)

نیاز فتح پوری بھی اصل میں ایک صاحب طرز ادیب ہیں جو رومانویت کے لبادے میں اپنی تحریروں میں نیچر کی رنگینیوں سے لطف وانبساط کی کیفیت سے ہم پر اپنا سحر طاری کرتے ہیں اور مسرت انگیز حقیقتوں کی عکاسی کرتے ہیں:

''میری وہ ایک چیز جو غار کی تنگ اور تاریکی کے ایک محدود قفس میں اپنی وسعت سمیٹتے ہوئے پڑی سو رہی تھی اس وقت بیدار ہو کر انگڑائی لیتی ہے اور آفتاب چہرہ سے نقاب زرا اٹھا کر اس کا منہ چوم لیتی ہے اور اس کی کرنوں کے ساتھ ساتھ آغوش سحاب میں کھل کھلا کر گر پڑتی ہے اور پھر روشنی کی ہلکی ہلکی موجوں کے ساتھ میری آنکھوں میں اتر آتی ہے۔ اور خون میں رقص کرنے لگتی ہے اور اب میں میں سمجھنے لگتا ہوں کہ یہ روح ہے یہ حیات ہے اس کا نام زندگی اور زندگی ہے۔ میں اس وقت غار میں، غار کے چاروں طرف پہار، اس پہاڑ کے ہر ہر جامد پتھر میں درخت میں اور درخت ہر ہر پتی

میں، زمین میں آسمان میں، ساری کائنات میں اور خود اپنے اندر ایک جنبش بیداری محسوس کرتا ہوں اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز کے اندر اس وقت شباب موجزن ہے اور اگر کوئی چیز دوسری سے مل گئی تو کبھی جدا نہ ہوگی''**(۱۲)**

نیاز فتح پوری ہمیں اپنے خیالات کے بہاؤ میں اس طرح شامل کر لیتے ہیں کہ ہم بے اختیار ان کے پیچھے پیچھے چلنے لگتے ہیں ان کے تصورات ہمارے خواب بن جاتے ہیں اور ہم ان میں کیف و آگہی کی نئی صورتوں سے آشنا ہوتے ہیں۔

آغا شاعر قزلباش کے ہاں بھی فطرت کی کرشمہ سازیاں اتنے دل پذیر انداز میں بیان کی جاتی ہیں کہ قاری داد دئے بغیر نہیں رہتا۔ ان کا انشائیہ ''کھلتا ہوا پتہ'' اس سلسلے میں بطور سند پیش کیا جاسکتا ہے:

''اس کے کھلنے کا عالم بھی نرالا ہوتا ہے۔ لال لال ڈنٹھل میں سے پہلے ایک مہین سی ملگجی نوک پیدا ہوتی ہے جو بڑھتے بڑھتے نکھرتے نکھرتے پانچ چھ دن میں ایک سبز سی پتی بن جاتی ہے اور یہی درحقیقت وہ لپٹا ہوا پتا ہوتا ہے جو آہستہ آہستہ کھلنا شروع ہوتا ہے۔ رفتہ رفتہ نسیم سحر کے پولے پولے ہاتھوں کی ہلکی ہلکی جنبش اور بادل شبنم کے گول گول موتیوں کی نچھاور اس پر ہوتی جاتی ہے۔ سورج کی دھیمی دھیمی شعاعیں ادھر ادھر پڑتی جاتی ہیں۔ اتنی ہی اتنی یہ پھول سی پتی لمبی ہو ہو کر کھلتی بھی جاتی ہے اور آخر ایک ایک اٹھوارے کے بعد وہ ہی راز سربستہ ایک پنجہ نگاریں میں ہوجاتا ہے۔ جب یہ کھلنا شروع ہوتا ہے تو ان کی نیم واحالت ان نازک انگلیوں کی جھلک مارتی ہے جو حنا کی بدولت خون میں ڈوبے ہوئے نشتر کہلاتی ہیں۔ اس کی سرخ سرخ رگیں جب آپس میں پھیل پھیل کر مل جاتی ہیں تو یہ عین اس نازنین مظلومہ کا کمزور ہاتھ معلوم ہوتا ہے جس نے قاتل کی ننگی تلوار روکنے کے لیے گھبراہٹ میں اپنی گوری گوری ہتھیلی آگے کر دی ہو اور وہ لہولہان ہوکر رہ گئی ہو۔''**(۱۳)**

وزیر آغا اردو انشائیہ کا بہت بڑا نام ہے، جدید اردو انشائے کا آغاز انہی سے ہوتا۔ انہوں نے نہ صرف خود انشائیے لکھے بلکہ انشائیہ کے بارے میں متواتر تعارفی اور تنقیدی مضامین لکھ کر اسے ایک الگ صنف ادب کے طور پر منوایا۔ فطرت سے محبت ڈاکٹر صاحب کا ایمان ہے اور وہ اپنے انشائیوں میں بھی جا بجا فطرت کے مظاہر کے نئے معنی اور نئے رنگ میں پیش کرتے ہیں کی اس پیشکش کا ایک اقتباس ان کے پہلے مضمون جو انہوں نے نصیر آغا کے نام سے شائع کرایا حسب ذیل ہے:

''۔۔۔آج بھی میرے چاروں طرف بہار کی آمد آمد ہے۔ دیہاتی وسعتیں شانت اور بے

کراں ہیں، حدنظر تک ہرے بھرے درختوں کا ایک لامتناہی سلسلہ پھیلا ہوا ہے۔۔۔ہوا کے ہلکے ہلکے جھونکے خنک اور لطیف ہو گئے ہیں۔ چاروں طرف خمار سا چھا گیا ہے، ہر چیز خواب کی طرح گراں ہے اور بوجھل ہو گئی ہے اور قوس قزح کے رنگوں میں رنگی ہوئے بہار کی خمار آگیں شام ہولے ہولے انگڑائی لیتی ہوئی بیدار ہو رہی ہے۔"(۱۴)

جمیل آذر کے ہاں بھی قدرت کے مظاہر اپنے اندر ایک خاص حسن اور کشش رکھتے ہیں وہ ان مناظر سے ایسی ایسی نکتہ تراشیاں پیش کرتے ہیں کہ ہم حیرت انگیز مسرت میں پڑھتے جاتے ہیں اور مسکراتے جاتے ہیں۔ شاخ زیتون سے ایک اقتباس درج ذیل ہے:۔

"زیتون کے درخت میں بے پناہ مقناطیسی کشش ہے یہ آپ کو اپنی طرف اس طرح کھینچتا ہے۔ جسے پھول کی خوشبو بھنورے کو چاند کی کرنیں چکور کو اور شمع کی لو پتنگے کو کھینچتی ہے۔ یہ درخت اپنی ہیبت اور خوس قامتی میں عام درختوں سے بالکل مختلف ہے۔ یہ ایک دوشیزہ دلہن کی طرح حسین ہے۔ جسے دیکھ کر انہیں زیتوں کا درخت عام درختوں سے منفرد نظر آتا ہے اس کی قامت آپ بے اختیار حسرت، استعجاب میں ڈوب جاتے ہیں۔ یہ اپنا حسن تناسب رکھتا ہے۔ اس کی بھری بھری شاخیں تنے کی تھوڑی سی بلندی کے ساتھ ہی اپنی مضبوط منفرد حثیت سے کسی رقاصہ کی طرح بل کھاتی ہوئی نظر آتی ہے۔"(۱۵)

جمیل آذر زیتون کے درخت میں ایک کشش محسوس کرتے ہیں یہ کشش انہیں ایک بھنورے، ایک چکور اور ایک پروانے کی طرح اپنی جانب کھینچتی محسوس ہوتی ہے اس کا حسن اور اس کی قامت کو جس انداز میں بیان کرتے ہیں وہ قاری کے دل میں بھی ذوق جمالیات پیدا کرتے ہیں۔ وہ اس کی بھری بھری شاخوں کے جھومنے اور بل کھانے کو ایک رقاصہ کے رقص سے مماثل قرار دیتے ہیں۔

امجد طفیل کے انشائیہ "پہاڑوں کے درمیان" جہاں پہاڑوں کی منظر کشی کرتا ہے وہیں پہاڑوں کی مناسبت سے انسانی سائیکی کو بیان کرنے کی روش بھی موجود ہے۔ وہ نہایت دل کش انداز میں پہاڑوں کو ایک مجسم صورت عطا کرتے ہیں ان کی رفاقت کے حوالے سے نئے نئے نکات سامنے لاتے ہیں۔ ذیل میں ان کے اس طرز نگارش کے اظہار میں اقتباس ان کی اس خوبی کو بہت اچھی طرح نمایاں ہیں:

"۔۔۔۔ پہاڑ دور سے یوں معلوم ہوتے ہیں جیسے ان کے سینے کے اندر سے کھوکھلے ہیں اور یہ کسی کنجوس کے پیٹ کی طرح پھولے ہوئے ہیں۔ مگر یہ اپنے اندر بے شمار اسرار رکھتے ہیں۔ اپنے اسرار یہ جو یہ ایک دم اپنے دیکھنے والوں پر کبھی نہیں کھلتے بلکہ آہستہ آہستہ ظاہر کرتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پہاڑوں سے تعلق جوڑنا کوئی آسان

کام نہیں کہ یہ کسی کی دوستی جلدی سے قبول نہیں کرتے بلکہ اس کے لئے ایک لمبے عرصے کا تعلق درکار ہاتا ہے آہستہ آہستہ بالکل بند کتاب کی طرح ایک ایک ورق آپ کے سامنے رکھتے ہیں۔ آپ کو بار باران سے ملاقات کے لیے جانا پڑتا ہے۔ دیر تک ان کے ہاں قیام کرنا پڑتا ہے۔تب کہیں جا کران سے رابطہ استوار ہوتا ہے۔ بالکل کسی پرمنی عورت کی طرح جو ایک دم اپنا سب کچھ مرد کے حوالے نہیں کرتی تھی۔ بلکہ پہلے اسے تولتی ہے اسے جانچتی ہے۔تب کہیں اس پر اپنے دل کا راز فاش کرتی ہے۔اس لیے دنیا کے وہ لوگ جو خدا سے لو لگاتے ہیں۔ پہاڑوں کے سینے ہی ان پر ذات، کائنات اور خدا کے اسرار منکشف کرتے ہیں۔ (۱۶)

اکبر حمیدی اپنے انشائی مجموعے''تتلی کے تعاقب میں'' تتلی کے لمس سے پیدا ہونے والی کیفیات کی عکاسی جس دل فریب انداز میں کرتے وہ ان کا ہی کام ہے۔تتلی کا رنگوں کی زبان میں باتیں کرنے انشائیہ نگار کے ساتھ ساتھ قاری کے دل میں خوشی کی گدگدیاں ہونے لگتی ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ بھی اس انکشاف راز میں برابر کا شریک ہے۔ان کی فنکاری کی مثال حسب ذیل ہے:

''۔۔تب اس نے اپنے رنگ دار ترشے ہوئے ہونٹ لرزتے ہوئے ہونٹ میرے بے آب ہونٹوں پر رکھ دیئے۔۔۔۔۔۔ پھر یوں ہوا کہ اس کے سارے رنگ اس کے ہونٹوں کے راستے میری روح میں اتر گئے۔۔اس کے ہونٹ کتنی ہی دیر میرے ہونٹوں سے رنگوں کی زبان میں ہمکلام رہے! میرے ہونٹوں پر جہاں اس نے اپنے ہونٹ رکھے تھے سخن کے رنگا رنگ پھول کھلنے لگے۔تب میرے ہونٹوں نے زندگی کے امرت رس کا اثبات کیا ہے۔ پہلا اثبات۔آں۔آں۔آں۔ہاں۔ہاں۔ہاں''(۱۷)

ڈاکٹر انور سدید کے ہاں فطرت ہمیں عرفان ذات کی طرف لے جاتی نظر آتی ہے۔ان کا زمینوں سے آسمانوں، خلاؤں اور ستاروں کا سفر انسان کو خاکی پیکر کے مقام سے بلند کر کے نور مجسم کی صورت میں ظاہر کرتا ہے۔چنانچہ اردو انشائیہ میں انشائیہ نگاروں نے فطرت کی عکاسی میں نئے زاویوں کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔

''اس وقت میں اپنے جسم کو کھر دری چارپائی پر چھوڑ دیتا ہوں اور روح کے آزاد زنہ سفر پر روانہ ہو جاتا ہوں، اب میری منزل نہ زمینوں پر ہے نہ آسمانوں پر بلکہ میں خلا کا ایک مسافر ہوں جس کا دل ستاروں کے ساتھ ڈھرک رہا ہے اب یہ مٹی کا بیمار اور بدہیت ٹکڑا نہیں رہا بلکہ مجسم نور بن گیا ہے۔اس سے مدھم دودھیا روشنی نکل رہی ہے۔ یہ روشنی کے محیط پر ایستادہ ہونے کے باوجود ان گنت ستاروں کی تر وشنی میں مدغم ہو رہی ہے جو ان تمام روشنیوں کو جلو میں لے کر ساتویں آسمان کو جاتا ہے۔ (۱۸)

رتن ناتھ اگرچہ غیر معروف انشائیہ نگار ہیں تاہم ان کی ہاں بھی فطرت کی دل نشین جھلکیاں قارئین ادب کے لیے بیش قدر سرمایہ ہیں۔ جب وہ ایک ماشکی کے احساست کے بیان میں پانی کی ترنم سے بات کرتے ہوئے ہمیں زندگی کے نغموں کی جانے متوجہ کرتے ہیں تو ہمیں محوسو ہوتا ہے کہ ہم قدرت کے ان کرشمہ سازیوں سے کس قدر محروم رہے ہیں زندگی کے ساز سے ایسے مضراب بجتے رہتے ہیں اور ہم کبھی ان کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ دیکھئے انہوں نے کس حسن وکوبی کے ساتھ اس راز کو ہم پر منکشف کیا ہے:

> ''ماشکی نے نل کھول کر مشک کا منہ بہتے ہوئے نل کے نیچے کر دیا۔ پانی ایک مترنم آواز بکھیرتا ہوا فرش پر پھیلی مشک میں یوں بھرنے لگا جیسے روح ایک بے جان ڈھانچے میں داخل ہو رہی ہو۔ روح ڈھانچے میں داخل ہو رہی ہو اور اس کے ساتھ ہی زندگی جنم لے رہی ہو اور اس کے ساتھ ہی ایک نغمہ بھی شروع ہو گا، لطیف مسحور کن نغمہ۔ زندگی خود بھی تو ایک نغمہ ہی ہے، نغمہ جو قدرت کے ظہور میں آتے ہی شروع ہوتھا اور ابد تک جاری رہے گا۔ انسانی ڈھانچے کو محض اس نغمے کا ساتھ دینے کے لیے بنتے رہتے ہیں لیکن زندگی کا نغمہ بدستور چلتا رہا ہے۔''(۱۹)

مشکور حسین یاد ویسے تو طنز ومزاح سے وابستہ ہیں لیکن انشائیہ نگاری میں بھی انہوں نے کئی قابل ذکر انشائیے تحریر کیے ہیں چنانچہ ان کے ایک انشائیہ میں فطرت کی غمازی ان الفاظ میں کی گئی ہے:

> ''کبھی صبح کی پہلی کرن کی صورت میں میرے کمرے میں داخل ہو جاتا ہے اور کہتا ہے کہ دیکھو پیارے دنیا میں اندھیرا ہی نہیں ہے جگ مگ جگ مگ کرتی صبح بھی اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ جلوہ گر ہو رہی ہے۔ کبھی عین اندھیری رات میں ہوا کا یہ جھونکا ستاروں کی طرح بکھر کر میری آنکھوں کے سامنے جھلمل جھلمل کرنے لگتا ہے اور۔۔۔ صبح اٹھ کر میں اپنے چھوٹے سیلان میں آتا ہوں تو یہ جھونکا شبنم کے ننھے منھے قطروں میں تبدیل ہو کر صاف شفاف زندگی گزارنے کے لیے میرے دل کو بڑھانے لگتا ہے۔ اور پھر سردی کے موسم میں یہی مہربان جھونکا شفقتوں بھری دھوپ کا روپ دھار لیتا ہے۔''(۲۰)

ان تمام اقتباسات کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ بلاشبہ اردو انشائیہ میں فطرت کی یوں عکاسی، قدرت کی انوکھی جہات اور نئے زاویوں کی ایسے شگفتہ انداز میں ترجمانی قارئین کو حیرت انگیز مسرت سے سرشار کرتی ہے۔ انشائیہ اپنی ذات کی تمام تر لطافت اور حسن وخوبی کے ساتھ ہمارے سامنے جلوہ فگن ہے اور ہمیں ایک بار پھر نئے جہان معنی کی سیر کرانے کے لیے عازم سفر ہے۔ آج کے اس مشینی اور انتہائی مصروفیت کے دور میں صنف انشائیہ ایک نعمت سے کم نہیں کہ یہ ہمیں بہت کم وقت میں ایک دل پذیر شگفتگی اور حیرت انگیز لطافت کے ساتھ دنیا و مافیہا کے حسن وخوبصورتی کا قریب سے مشاہدہ کرانے کی کوشش کرتا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ قاموس مترادفات ص ۱۰۰
۲۔ فیروز اللغات ۔مرتبہ فیروز والدین ۔لاہور، فیروز سنز ص ۱۳۰
۳۔ فیروز اللغات ۔مرتبہ فیروز والدین ۔لاہور، فیروز سنز ص ۱۳۰
۴۔ اردو ایسیز :مرتبہ سید امیر الدین مدنی مکتبہ جامعہ لمیٹڈ بمبئی اول ۱۹۸۵ء دیباچہ ص ۷
۵۔ جمیل آذر ''انشائیہ اور انفرادی سوچ'' ۲۰۰۴ء راولپنڈی نقش گر پبلی کیشنز ص ۱۲
۶۔ نیاز فتح پوری، بحوالہ ''اردو ایسز'' مرتبہ ظہیر الدین ۔۱۹۵۸ بمبئی، مدرسہ جامعہ ص ۷
۷۔ بشیر سیفی، ڈاکٹر ۔اردو میں انشائیہ نگاری ۔۲۰۱۳، نذیر سنز پبلیشرز ۔ص ۳۶
۸۔ انور سدید، ڈاکٹر ۔''انشائیہ اردو ادب میں'' ۔۱۹۸۵ء لاہور ۔مکتبہ فکر و خیال ۔ص ۲۷
۹۔ وزیر آغا ۔''انشائیہ کے خدوخال'' ۔۱۹۹۱ء نئی دہلی ۔نئی آواز جامعہ، ص ۵۰
۱۰۔ سجاد حیدر یلدرم، ''خیالستان،'' لاہور ۔فرمان علی اینڈ سنز س ۔ن ۔ص ۲۰۸
۱۱۔ فلک پیما، ''مضامین فلک پیما'' ۱۹۴۶ء لاہور آئینہ ادب ۔ص ۳۰
۱۲۔ نیاز فتح پوری، ''نگارستان'' ۔۱۹۳۹ء ۔لکھنو ۔ص ۱۰۱
۱۳۔ وحید قریشی ۔''اردو کا بہترین انشائی ادب'' ۔۱۹۶۴ء لاہور مکتبہ میری لائبریری، ص ۱۰۴
۱۴۔ مولانا صلاح الدین احمد، بزم ادب ''ادبی دنیا'' اپریل ۱۹۴۹ ص ۱۴۔۱۳
۱۵۔ جمیل آذر ''شاخ زیتون'' مکتبہ اردو زبان سرگودھا ۔۱۹۸۱ء ص ۹۳
۱۶۔ امجد طفیل ''پہاڑوں کے درمیان'' اوراق لاہور س ن ص ۹۰۔۸۹
۱۷۔ اکبر حمیدی ''تتلی کے تعاقب میں'' ۱۹۸۵ء ۔اسلام آباد بٹر پبلی شرز، ص ۴۷
۱۸۔ ڈاکٹر انور سدید، ''ذکر اس پری وش کا'' ۱۹۸۲ء سرگودھا ۔مکتبہ اردو زبان ۔ص
۱۹۔ رتن ناتھ ''نغمہ'' ادب لطیف ۱۹۶۵ء شمارہ اگست' ص ۸۷
۲۰۔ مشکور حسین یاد ''بات کی اونچی ذات'' (ہوا کا ایک جھونکا) س ۔ن لاہور ۔اظہار سنز ۔ص ۷۰